شذرات

۲۲ اگست کو وطن عزیز کے طول و عرض میں دنیا کے عظیم انقلابی اور مجاہد حضرت علامہ استاذ عبیداللہ سندھیؒ کی برسی منائی گئی، آپ کے عقیدتمندوں اور تلامذہ نے مختلف مجالس میں علامہ موصوف کی ولولہ انگیز سوانح حیات اور انقلابی کارناموں پر روشنی ڈالی ملک کے مقتدر اخبارات میں مضامین شائع ہوئے لیکن ہماری نظر میں ایک ایسا انسان جسکو قدرت کی طرف سے فطرت سلیم اور فہم عظیم عطا ہو جسکی ساری زندگی ایک تلاش ایک ولولہ ایک عزم لامتناہی اور انتھک جدوجہد میں گذری ہو۔ اور آزادی وطن کے سلسلے میں پچیس برس جلاوطن کی زندگی بسر کی ایسے عظیم انسان کی حقیقی یاد کی صورت تو یہ ہے کہ ان کے انقلابی افکار اور قرآنی تعلیمات سے آج کے نوجوانوں کو متعارف کرایا جائے اس سلسلے میں سندھ ساگر اکاڈیمی بیت الحکمۃ لاہور اور بیت الحکمۃ کراچی جیسے علمی اداروں نے کافی کام کیا ہے ضرورت ہے کہ اس علمی اور فکری کام کو آگے بڑھایا جائے، اس موقعہ پر ہمیں حضرت علامہ استاد سندھیؒ کے نواسے صاحبزادہ ظہیرالحق صاحب دین پوری نے، مرحوم مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک غیر مطبوعہ خط کی کاپی بغرض اشاعت ارسال فرمائی تھی، یہ خط مولانا ابوالکلام آزاد نے صاحبزادہ ظہیرالحق کو جیل سے رہائی کے بعد مبارکباد کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا جس سے حضرت الاستاذ عبیداللہ سندھیؒ کی سوانح حیات کے بعض گمنام گوشوں پر بھی روشنی پڑتی ہے اور وہ خط بجنسہ یہ ہے۔

دہلی — عزیز القدر مولوی ظہیرالحق دین پوری سلمہٗ

۱۵ ستمبر ۴۶ء — السلام علیکم و رحمتہ اللہ

آپنے آزادی پر مبارکباد کا پیغام بھیجا۔ شکریہ! خط پڑھتے ہی مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آئی اور اس طرح آئی کہ صدائے درد زبان تک پہنچی اور زبان نے نوک قلم کے حوالہ کیا۔ قصہ

بہت طویل ہے اسے مختصر کیا جائے تب بھی وقت سازگاری نہیں کرتا۔ ۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ کے ایام تھے ولی اللٰہی قافلہ کے امیر حضرت مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ نے انتہائی نامساعد حالات میں مولانا عبیداللہ سندھی کو کابل بھیج دیا۔ ان کو وہاں مختلف ممالک کے سیاسی رہنماؤں سے مل کر کام کرنے کا موقع ملا۔ ان میں جرمن، فرانسیسی اور جاپانی سیاست دان چند ایک ایسے بھی تھے جو آج اپنے اپنے ملک میں برسرِ اقتدار ہیں اور عنان حکومت انہی کے ہاتھ میں ہے یہ لوگ اس وقت کے سیاسی رفیق با مشیر ہیں کہ جب مولانا نے کابل میں حکومت مؤقتہ قائم کی خود اس کے وزیر ہند منتخب ہوئے اور ریشمی خطوط کی تحریک چلا کر برٹش حکومت کو للکارا اور میدان جنگ میں شکست دے کر اپنا مؤقف منوایا۔ برطانوی نمائندوں نے جنگ کے خاتمہ پر مصالحتی دستاویز پر دستخط کرتے ہوئے حکومت کابل کی خود مختاری کا اعلان کیا ہندوستان کے مطالبہ آزادی کو تسلیم کیا اور بتدریج ہند کو چھوڑ دینے کی وضاحت کردی۔ اس کا انتقام برٹش حکومت نے امیر امان اللہ خاں سے تو لے لیا مگر مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ نہ بگاڑ سکی یہ مولانا کا ذاتی سیاسی اثر تھا۔ جس سے وہ مرعوب تھی۔

پچیس سال کی جلا وطنی کے بعد ۱۹۳۹ء میں جب یہاں پہنچے تو دوسری جنگ کا آغاز تھا۔ انہوں نے اپنی تحریک کانگریس میں پیش کرنے کے لئے میدان ہموار کیا گاندھی جی تک نے اس تحریک کی مخالفت کی اسکے باوجود ہندوستان چھوڑدو کا نعرہ بلا دس نے مار دیا اور اسکی گونج بکنگھم پیلس سے ٹکرائی۔ یہ سب کچھ مولانا نے باہر بیٹھ کر کیا۔ کسی بھی بحث میں حصہ نہیں لیا۔ اور نہ ہی کبھی کسی اجلاس میں شرکت کی یہ فن صرف وہی جانتے تھے ایک ملاقات میں چلتے پر میں نے ان کے چہرے سے کچھ ایسا تاثر قبول کیا کہ جیکی بنا پر ان سے پوچھ بیٹھا فرمایا کہ جاہتا ہوں سبھاش اسی وقت باہر چلے جائیں۔ کچھ دیر خاموش ہوکر رخصت ہوئے اور دکھلا اپنی قیام گاہ پر چلے گئے دوسرے دن اوکھلے سے دہلی کو ملانے والی آٹھ میل لمبی سڑک کے ایک ویران گوشہ میں سوبھاش سے ان کی ملاقات ہوگئی دوسری ملاقات ان کی بالی گنج کلکتہ میں ہوئی اسی ہی ملاقات میں اسے جاپان جانے کے لئے رخصت کیا حکومت جاپان کے نام وزیر ہند حکومت مؤقتہ کی حیثیت سے اسے ایک شناختی کارڈ دیا اور وہاں کے فوجی بورڈ کے سربراہ کے نام اپنا ذاتی پیغام۔ سوبھاش کے وہاں پہنچنے پر حکومت جاپان نے فوج میں ان پر اپنے اعتماد کا اعلان کیا ادھر اعلان ہوتا تھا کہ دہرا احمد نگر کے قلعہ سے کانگریسی ہائی کمان کی رہائی بلا شرط منظور کر لی گئی ورنہ حکومت کا یہ فیصلہ تھا کہ پورے قلعہ کو بمعہ سیاسی قیدیوں کے بم سے اڑا دیا

جائے ساتھ ہی ہند کی آزادی کا اعلان کردیا اور ہم آزاد ہو گئے کون جانتا ہے کہ کس کی قربانیاں ہیں؟ جاپانی حکومت نے حضرت مولانا پر اعتماد کیا اس جرم کی سزا انہیں ہیروشیما میں بھگتنی پڑی۔ حضرت مولانا کو ایسا زہر دیا کہ جس نے ان کی ہڈیوں سے کھال کھینچ لی۔ پھر انکی دونوں آنکھیں نکال لیں اور ۲۲ اگست ۱۹۴۵ء کو اس مقام میں پہنچے جو پہلے ہی دن سے اللہ تعالٰی نے ان کے لئے اپنے حضور میں مخصوص کر رکھا تھا۔

یدخلھم الجنۃ عرفھا لھم۔

اس وقت آسمان اشک بار تھا۔ زمین رو رہی تھی ہندوستان سوگوار تھا۔ جرمن اور جاپان کا علمی اور سیاسی طبقہ بھی شریک ماتم تھا مگر حکومت برطانیہ نے اس خبر کو افواہ سمجھا تاآنکہ حکم سے وائسرائے ہند کے ذریعہ ایک تحقیقاتی محکمہ قائم ہوا۔ اس نے برطانیہ کے تمام سفارت خانوں سے رابطہ قائم کیا۔ تب کہیں جاکر اطمینان نصیب ہوا اور یکم ستمبر ۱۹۴۶ء کو پورے ایک سال دو دن بعد سرکاری طور پر اس امر کی تصدیق کی کہ مولانا واقعی فوت ہو گئے ہیں۔

ایک انقلابی کو ترازو کے ایک پلڑے میں ڈال دیں اور پوری دنیا کو دوسرے پلڑے میں تو وہ ایک پوری دنیا پر بوجھل ہوتا ہے۔ اب صرف ایک یاد باقی ہے اور اس یاد کے ساتھ غم۔ غم صرف اس کا نہیں کہ یہ لوگ جدا ہو گئے غم اس کا ہے کہ وہ دنیا ہی مٹ گئی جس دنیا کی یہ مخلوق تھے ہم اس کاروان رفتہ کے پسماندگان رہ گئے ہیں۔ جنہیں نہ تو قافلہ کا سراغ ملتا ہے نہ منزل سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ نہ ہمیں کوئی پہچانتا ہے۔ نہ ہم کسی کے شناسا ہیں۔

فمنھم من قضٰی نحبہ ومنھم من ینتظر

آزادی صد مبارک ان شہدا کو اور اللہ تعالٰی کی کروڑوں رحمتیں ان کی تربت پر ہوں۔ میں خیریت سے ہوں الحمد للہ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کریں۔ والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کردیں۔

والسلام۔ ابوالکلام!